6

جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ کے افتتاح میں حکمت

(فرمودہ 18 مارچ 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پچھلے دو جمعوں میں مَیں نہیں آسکا کیونکہ مجھے نقرس کی تکلیف رہی ہے۔ پہلے میرے دائیں پاؤں پر نقرس کا حملہ رہا اس کے بعد بائیں پاؤں پر نقرس کا حملہ ہو گیا۔ درمیان میں ایک دفعہ مالش کے دوران میں چوٹ لگ گئی جس سے درد بڑھ گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہڈی میں کوئی ضرب آگئی ہے۔ چار دن ہوئے ایکسرے لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہڈی میں کوئی فریکچر نہیں۔ جو درد تھا وہ صرف چوٹ کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب درد میں افاقہ ہے لیکن تین چار دن سے باوجود آرام آجانے کے شاید اُن مُضعف دواؤں کی وجہ سے جو نقرس کے لیے مجھے کھانی پڑی ہیں برابر کمزوری محسوس ہوتی اور نیند کا غلبہ رہتا ہے۔ جب تک کام کرتا رہوں کام کرتا رہتا ہوں لیکن جب کام سے ذرا بھی توجہ ہٹے فوراً نیند کا غلبہ شروع ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب پاؤں میں اِتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خطبہ کے لیے آجاؤں اور بعض ضروری امور کی طرف دوستوں کو توجہ دِلا دوں۔

احباب کو معلوم ہے کہ اِس سال کا جلسہ سالانہ ایسٹر ہالی ڈیز (EASTER HOLIDAYS)

میں ربوہ میں مقرر کیا گیا ہے۔ مجھے بہت سے دوستوں کے خطوط ملے ہیں کہ ربوہ میں ان دنوں جلسہ کرنا بہت مشکل بات ہے اور یہ کہ جلسہ سالانہ کی تاریخیں یا تو بدل دی جائیں اور یا پھر جلسہ ربوہ میں نہ کیا جائے بلکہ لاہور میں کیا جائے۔ یہ خطوط جماعت کے کارکنوں کی طرف سے بھی ملے ہیں اور بیرونی جماعتوں کی طرف سے بھی ملے ہیں۔ خصوصاً زمیندار جماعتوں کی طرف سے کہا گیا ہے کہ ان دنوں چونکہ کٹائی کا وقت ہوگا اس لیے زمینداروں کا جلسہ میں شامل ہونا مشکل ہوگا۔ میں ان لوگوں کی مشکلات کو بھی سمجھتا ہوں جنہوں نے جلسہ سالانہ کے دنوں میں وہاں آنا ہے لیکن جب کوئی شخص سمندر میں کُودتا ہے یا کوئی جہاز غرق ہوتا ہے اور اُس کی سواریاں سمندر میں گر جاتی ہیں تو آخر انہیں ساحل کی تلاش کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس ساحل کی جستجو میں خطرات بھی ہوتے ہیں اور اس کی جستجو میں خوف بھی لاحق ہوتے ہیں۔ جب کوئی جہاز ڈوبتا ہے تو چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے اور انسان نہیں جانتا کہ میں دائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا بائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی۔ سامنے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا پیچھے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی۔ یہ بھی انسان نہیں جانتا کہ اگر خشکی مجھ سے بہت دور ہے اور میں کسی طرح بھی ساحل تک نہیں پہنچ سکتا تو اگر دائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا بائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی۔ آگے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا پیچھے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی۔ اِن آٹھوں باتوں میں سے اُسے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی مگر پھر بھی وہ ایک جگہ پر کھڑا نہیں رہتا۔ بظاہر اُس کا ایک جگہ پر کھڑا رہنا یا ان چاروں جہات میں سے کسی ایک کا خشکی پر پہنچنے یا جہاز اور کشتی حاصل کرنے کے لیے اختیار کرنا برابر معلوم ہوتا ہے مگر باوجود اس کے کہ یہ سب باتیں برابر معلوم ہوتی ہیں انسان پھر بھی جدوجہد کرتا ہے اور ساحل یا کشتی کی تلاش میں دائیں بائیں یا آگے پیچھے ضرور جاتا ہے۔ اِسی طرح ہمیں بھی ساحل یا جہاز کے لیے جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے مقدر ہے جستجو اور تلاش کی ضرورت ہے اور جلد سے جلد کسی ایسے طریقِ کار کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو اپنے اندر ایک استقلال اور پائیداری رکھتا ہو۔ اِس وقت تک جو کچھ خدا تعالیٰ کی مشیت ظاہر ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربوہ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ ہماری جماعت دوبارہ اپنا مرکز بنائے۔ اور جب کوئی نئی جگہ

اختیار کی جاتی ہے تو اُس کے لیے دعائیں بھی کی جاتی ہیں، اس کے لیے صدقہ وخیرات بھی کیا جاتا ہے اور اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی طلب کی جاتی ہے۔ اور یہ بہترین وقت ہمیں جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہی میسر آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس موقع پر وہاں ہزاروں ہزار افراد جمع ہوں گے اور ہزاروں ہزار افراد کے جمع ہونے سے طبیعتوں پر جو اثر ہوسکتا ہے اور ہزاروں ہزار افراد کی متحدہ دعائیں جو تأثیر اپنے اندر رکھتی ہیں وہ صرف چند افراد کے جمع ہونے سے نہ اثر ہوسکتا ہے اور نہ ان کی دعائیں خواہ وہ سچے دل سے ہی کیوں نہ ہوں اُتنی تأثیر رکھ سکتی ہیں جتنی ہزاروں ہزار افراد کی دعائیں اثر رکھتی ہیں۔ آخر نماز باجماعت کو اکیلی نماز پر کیوں فوقیت حاصل ہے؟ اسی لیے کہ نماز باجماعت میں بہت سے افراد مل کر دعا کرتے ہیں اور جب بہت سے افراد مل کر دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی برکات کا نزول یقینی ہو جاتا ہے۔ فرد ممکن ہے پوری توجہ سے دعا نہ کرسکتا ہو خواہ اس کے روحانی حالات ایسے ہوں کہ وہ دعا نہ کرسکتا ہو اور خواہ اس کے جسمانی حالات ایسے ہوں کہ وہ دعا نہ کرسکتا ہو مگر جب دس بیس افراد مل کر دعا کرتے ہیں تو اگر پانچ سات کی توجہ دعا کی طرف نہیں ہوتی تو باقی آٹھ دس افراد جو پوری توجہ اور انہماک اور گریہ وزاری کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کررہے ہوتے ہیں اُن کی دعاؤں کی وجہ سے وہ دو یا پانچ یا سات افراد جو دعا کی طرف توجہ نہیں کررہے ہوتے وہ بھی اپنے مدعا کو حاصل کر لیتے ہیں۔

آثار میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی نے جو آپ کے بھانجے تھے کسی موقع پر یہ دیکھ کر کہ حضرت عائشہؓ اپنے تمام اموال غرباء میں تقسیم کر دیتی ہیں اور جو کچھ آتا ہے صدقہ کر دیتی ہیں اُن کے اِس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور چونکہ بھانجے ہی آپ کے وارث ہونے والے تھے اُس نے اِس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہہ دیا کہ حضرت عائشہؓ کو اپنا ہاتھ روکنا چاہیے، وہ اپنے مالوں کو اسراف کے طور پر بانٹتی رہتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات سنی تو سمجھ لیا کہ یہ بات کسی جذبہ خیرخواہی کے ماتحت نہیں کہی گئی بلکہ محض ایک نفسانی خواہش کے ماتحت کہی گئی ہے۔ اس نوجوان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ اگر روپیہ اِسی طرح خرچ ہوتا رہا تو ہمیں کچھ نہیں ملے گا اس لیے حضرت عائشہؓ کو روکنا چاہیے تاکہ وہ اپنا مال جمع رکھیں اور ہمیں ملے۔ پس چونکہ یہ بات

ایک نفسانی خواہش کے ماتحت کہی گئی تھی اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِس بات کو ناپسند فرماتے ہوئے قسم کھائی کہ آئندہ میں اس بھانجے کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ چنانچہ انہوں نے بھانجے کو روک دیا اور اسے کہہ دیا کہ میں آئندہ تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔تم میرے گھر میں مت آیا کرو۔ میرے ہاں آنے کی تمہیں اجازت نہیں ہوگی۔ انگریزی میں مثل ہے کہ ''انگریز کا گھر قلعہ ہوتا ہے۔'' 1 مطلب یہ کہ اُس کے گھر کے اندر کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑا قلعہ مسلمان کا گھر ہے۔ انگریز کے گھر کو صرف رسم و رواج کی وجہ سے ایک پاکیزگی اور طہارت حاصل ہے لیکن مسلمان کے گھر کو خدائی قانون نے ایک قلعہ کی صورت دے دی ہے اور قرآن کریم نے نہایت واضح الفاظ میں یہ حکم دیا ہے کہ کسی کے گھر بغیر گھر والے کی اجازت کے کوئی شخص داخل نہیں ہوسکتا۔ 2 پس انگریز کے گھر کو اگر کوئی خوبی حاصل ہے تو صرف رسم و رواج کی وجہ سے۔لیکن مسلمان کے گھر کو خدائی قانون اور ایک دینی حکم کی وجہ سے پاکیزگی اور طہارت حاصل ہے۔ بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب فرما دیا کہ وہ میرے گھر میں نہ آیا کرے تو اب اس بھانجے کی یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ اندر آ سکے کیونکہ قرآن کریم کا حکم اُس کے سامنے تھا کہ انسان کسی کے گھر میں اُس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک ہی بات کہہ سکتا تھا کہ مجھے اندر آنے کی اجازت دی جائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ فرما دیا تھا کہ میں تمہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دیتی آپؓ بعد میں بھی یہی فرما سکتی تھیں کہ تمہیں آنے کی اجازت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بھانجے کی آمد و رفت اپنی خالہ کے ہاں بند ہوگئی۔ اگر یہ بات صرف دنیوی حد تک محدود ہوتی تب بھی بھانجے پر اپنی خالہ کی ناراضگی سخت گراں گزرتی مگر یہاں صرف دنیوی بات نہیں تھی بلکہ خالہ وہ تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن سے ملاقات کرنے اور دعائیں لینے میں سراسر برکت اور رحمت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھانجے پر یہ بات بہت گراں گزری اور وہ دن رات بہت غمگین رہنے لگا۔صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ اس نوجوان کی حالت خراب ہو رہی ہے تو انہوں نے کوشش کی کہ کسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے معاف فرما دیں۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ خالہ اور بھانجے کے ملنے میں دقّت کیا ہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اُسے اپنے ہاں آنے کی

اجازت نہیں دیتیں اور چونکہ کوئی شخص بغیر اجازت کے کسی کے گھر نہیں جا سکتا اس لیے یہ براہ راست خالہ سے معافی نہیں مانگ سکتا۔ اِس پر صحابہؓ نے فیصلہ کیا کہ چلو کسی دن ہم بہت سے دوست مل کر جاتے ہیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔ اس نوجوان کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ جب سب کو اندر آنے کی اجازت ملی تو ہمارے ساتھ اس کو بھی اجازت مل جائے گی اور پھر یہ براہ راست اپنی خالہ سے معافی مانگ لے گا۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے اکٹھے ہوئے۔ ابن زبیر کو انہوں نے اپنے ساتھ لیا اور حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر جا کر کہا کہ ہم اُمّ المومنین کی خدمت میں آپ سے کچھ بات کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کون ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا عبدالرحمٰن بن عوف اور ساتھ کچھ اَور صحابہؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت ہی محبوب صحابہؓ میں سے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ نے سنا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ان کے ساتھ کچھ اَور صحابہؓ مل کر آئے ہیں تو انہوں نے پردہ لٹکایا اور آپ ایک طرف بیٹھ گئیں اور حکم دیا کہ اندر آ جاؤ۔ حضرت عائشہؓ کو پتا نہیں تھا کہ اِس ''ہم'' میں ابن زبیر بھی شامل ہے۔ (یہ عبداللہ بن زبیر مشہور صحابی نہیں تھے ان کے بھائی تھے) جب اَور صحابہؓ کو اندر آنے کی اجازت مل گئی تو چونکہ ابن زبیر بھی اُن کے ساتھ ہی تھے اس لیے ان کے لیے کسی علیحدہ اجازت کی ضرورت نہ رہی اور وہ بھی اندر آ گئے۔ صحابہؓ تو ایک طرف بیٹھ گئے اور ابن زبیر اندر جا کر اپنی خالہ سے چمٹ گئے اور رونے لگے اور اصرار کرنے لگے کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔ خالہ آخر خالہ ہی تھیں۔ صحابہؓ نے بھی باہر سے عرض کیا کہ ہم اِسی سفارش کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں معاف تو کر دیتی ہوں مگر میں نے جب یہ عہد کیا تھا کہ میں اپنے بھانجے کو آئندہ اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں دوں گی تو میرے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ آخر یہ میرا بھانجا ہے اور لوگوں نے اِس کے متعلق میرے پاس سفارشیں بھی کرنی ہیں شاید کسی وقت مجھے معاف ہی کرنا پڑے۔ اس لیے میں نے ساتھ ہی یہ عہد بھی کیا تھا کہ اگر میں نے اسے معاف کیا تو اس کے بعد میں اپنی قسم کے کفّارہ کے طور پر کچھ صدقہ دے دوں گی مگر میں نے ''کچھ'' کا لفظ کہا تھا صدقہ کی تعیین نہیں کی تھی کہ وہ کتنا ہوگا۔ اور چونکہ دل میں شبہ رہ سکتا ہے کہ ممکن ہے ابھی پورا صدقہ

ادا نہ ہوا ہو اِس لیے میں اسے معاف تو کر دیتی ہوں مگر آئندہ جو مال بھی میرے پاس آیا کرے گا میں وہ صدقہ کر دیا کروں گی[3] اِس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بات بھی پوری کر لی اور اسے بھی معاف کر دیا۔ اس بھانجے کو آخر یہی اعتراض تھا کہ خالہ روپیہ جمع نہیں کرتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھا میں معاف تو کرتی ہوں مگر آئندہ کوئی روپیہ اپنے پاس جمع نہیں کروں گی۔ جو کچھ آئے گا صدقہ و خیرات کر دیا کروں گی۔

یہ واقعہ جس سبق کی طرف توجہ دلانے کے لیے میں نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک جدّت اختیار کی کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے کو اپنے ساتھ لے گئے اور ان سے عرض کیا کہ ہم کچھ لوگ اندر آنا چاہتے ہیں اور اس "ہم" میں ایک مجرم بھی شامل ہو گیا اور اسے اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ اِسی طرح نماز میں جب کوئی اکیلا شخص کھڑا ہوتا ہے اور وہ مجرم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے جاؤ اور اس کی نماز ردّ کر دو۔ اس مجرم کی نماز ہم نے کیا کرنی ہے۔ اِسی طرح ایک کمزور انسان بھی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، ایک غافل انسان بھی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے اس انسان کی مُردہ نماز کو ہم نے کیا کرنا ہے جاؤ اور اس کی نماز کو ردّ کر دو۔ لیکن جب نماز باجماعت میں سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو ان میں ایک مجرم کی آواز بھی اٹھ رہی ہوتی ہے، ایک غافل کی آواز بھی اُٹھ رہی ہوتی ہے، ایک ناقص دعا کرنے والے کی آواز بھی اُٹھ رہی ہوتی ہے اور کامل توجہ اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنے والوں کی آواز بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اٹھ رہی ہوتی ہے، جنہوں نے آسمان کو سر پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے اور جو اپنی زاری اور اپنے گریہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہے ہوتے ہیں۔ اُس وقت اُن کامل توجہ اور انہماک سے دعا کرنے والوں کے ساتھ ایک غافل، ایک کمزور اور ایک مجرم کی آواز بھی سُنی جاتی ہے کیونکہ اُس وقت خدا تعالیٰ کے حضور ایک جماعت کی آواز پیش ہو رہی ہوتی ہے۔ اُس وقت کوئی انفرادی آواز نہیں ہوتی بلکہ صرف جماعتی آواز ہوتی ہے۔ اِسی وجہ سے شریعت نے حکم دیا ہے کہ جب نماز ہو رہی ہو تو کسی شخص کو اِدھر اُدھر دیکھنے یا بولنے کی اجازت نہیں کیونکہ اُس وقت خدا تعالیٰ کے سامنے ایک جماعت کے متعدد افراد "ہم" کہہ کہہ کر اپنی عرضداشت پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم تیری عبادت کرتے ہیں، ہم تجھ سے مدد

چاہتے ہیں، ہم تجھ سے سیدھا راستہ طلب کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے انبیاء والے انعامات مانگتے ہیں۔ جب وہ ''ہم'' خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتا ہے تو جس طرح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور اُن کے ساتھیوں کا لفظ ''ہم'' حضرت عائشہؓ کے ہاں ابن زبیر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اُسی طرح خدا تعالیٰ کے مخلص اور مقرب اور محبوب بندوں کا ''ہم'' کمزوروں کی دعائیں بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو ردّ نہیں کرتا بلکہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اُس نے ''ہم'' کو یا بالفاظِ دیگر اجتماعی دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔

پس نماز باجماعت نے ہم کو یہ سبق دیا ہے کہ متفقہ آواز اور متحدہ دعا اپنے ساتھ بعض زائد برکتیں رکھتی ہے۔ یہی سبق ہم کو حج میں بھی ملتا ہے۔ عمرہ ایک ویسی ہی عبادت ہے جیسے انفرادی نماز۔ لیکن مکہ کا حج ایسا ہے جیسے نماز باجماعت۔ اور حج میں جو برکات ہیں وہ عمرہ میں نہیں۔ اِنہیں باتوں کو دیکھتے ہوئے میں نے مناسب سمجھا کہ ہم ربوہ کا افتتاح جلسہ سالانہ سے کریں اور خدا تعالیٰ سے اس مقام کے بابرکت ہونے کے لیے متحدہ طور پر دعائیں کریں۔ بے شک ان شامل ہونے والوں میں غافل بھی ہوں گے، سُست بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے لیکن ان لوگوں میں چُست بھی ہوں گے، مخلص بھی ہوں گے، سلسلہ کے فداکار اور جاں نثار بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بھی ہوں گے۔ ان چُستوں اور فداکاروں کی آواز کے ساتھ جب کمزوروں اور ناقص دعا کرنے والوں کی آواز خدا تعالیٰ کے سامنے ''ہم'' کہتے ہوئے پہنچے گی تو یقیناً اس ''ہم'' میں جو برکت ہوگی وہ صرف چند افراد کے وہاں جا بسنے سے نہیں ہو سکتی۔

پس بجائے اِس کے کہ ربوہ کا کوئی افتتاح نہ کیا جاتا اور بجائے اِس کے کہ چند افراد جو وہاں بس رہے ہیں اُنہی کا بسنا ربوہ کے افتتاح کے لیے کافی سمجھ لیا جاتا میں نے چاہا کہ ہمارا اِس سال کا سالانہ جلسہ ربوہ میں ہو تا کہ جب ہماری جماعت کے ہزاروں ہزار افراد اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے آئیں تو ہمارا جلسہ بھی ہو جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بہت بڑی تعداد میں اکٹھے ہو کر ہم متحدہ طور پر دعائیں کریں کہ وہ اس مقام کو احمدیت کے لیے بابرکت کرے اور اسے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا ایک زبردست مرکز بنا دے۔ میں جانتا ہوں کہ منتظمین کو تکلیف ہوگی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ شاید ہمیں پورا سامان بھی وہاں

میسر نہ آسکے۔ یہاں اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتو فوری طور پر مہیا ہوسکتی ہے لیکن وہاں ایسا نہیں ہوسکتا۔ مثلاً لاہور میں سینکڑوں باورچیوں کی دکانیں ہیں۔ اگر کسی وقت کھانا کم ہو جائے اور دو تین سو افراد کو کھانا مہیا کرنے کی ڈیوٹی پر لگا دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں دو تین گھنٹہ میں دس پندرہ ہزار آدمی کا کھانا آسانی سے مہیا ہوسکتا ہے۔ لیکن جو مقصد میرے سامنے ہے وہ اس رنگ میں پورا نہیں ہوسکتا۔ اِس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ لاہور کی بجائے ربوہ میں اِس جلسہ کا انعقاد کیا جائے۔

باقی رہا تکلیف کا سوال سو یہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اُس وادیٔ غیرِ ذِی زرع میں جس میں شور پانی نکلتا ہے، اُس وادیٔ غیرِ ذِی زرع میں جس میں چالیس چالیس پچاس پچاس میل تک کھیتی کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا، حضرت ابرہیم علیہ السلام سے لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لوگ بڑے بڑے وسیع جنگلوں میں سے گزرتے ہوئے ایسے جنگلوں میں سے جو صرف درندوں کے مسکن تھے، ایسے جنگلوں میں سے جہاں بعض دفعہ سَو سَو میل تک پانی کا ایک قطرہ تک میسر نہیں آتا تھا پیدل یا اونٹنیوں پر سوار اپنے مشکیزوں میں پانی اٹھائے حج کے لیے دوڑتے چلے آتے تھے اور دنوں نہیں، مہینوں نہیں، سالوں نہیں، صدیوں نہیں، ہزاروں سال تک وہ برابر ایسا کرتے چلے گئے۔ ہماری جماعت کو ایسا بے ہمت تو نہیں ہونا چاہیے کہ اگر صرف ایک دفعہ انہیں یہ کام کرنا پڑے تو وہ گھبراہٹ کا اظہار کرنے لگ جائیں۔ اِس صورت میں بھی تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکو گے کہ عرب کے قبل از اسلام لوگوں نے جو کام دو ہزار چار سو دفعہ کیا وہ ہم نے بھی ایک دفعہ کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ بائیس سو سے چوبیس سو سال تک کا ہے اور ہر سال حج ہوتا ہے۔ اس لیے اگر صرف حج کو ہی لے لیا جائے عمرہ کو جانے دیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ چوبیس سو دفعہ یہ کام ان لوگوں نے کیا۔ حالانکہ ان لوگوں میں سے اکثر وہ تھے جو زمانہ نبوت سے بہت دور تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی چند نسلوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے درمیان میں صرف کفر اور تاریکی اور بے دینی کا زمانہ تھا۔ اُس کفر کے زمانہ میں، اُس تاریکی کے زمانہ میں، اُس بے دینی اور الحاد کے زمانہ میں جو کام انہوں نے چوبیس سو دفعہ کیا بلکہ اگر عمرے بھی شامل

کر لیے جائیں تو جو کام انہوں نے چوبیس ہزار دفعہ کیا ہمیں اگر ویسا ہی کام صرف ایک دفعہ کرنا پڑے تو ہمارے نفسوں پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ ہم بھی لہو لگا کر شہیدوں میں مل گئے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی حکمتیں نہایت وسیع ہیں۔ دنیا ان چیزوں کو نہیں دیکھتی جن کو خدا دیکھ رہا ہوتا ہے یا جن کو خدا کے دکھانے سے اس کے فرشتے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے بیج دنیا میں بوئے جاتے ہیں مگر اُن بیجوں کے اچھا ہونے کے باوجود، زمینوں کے اچھا ہونے کے باوجود، نگرانی اور دیکھ بھال کے اچھا ہونے کے باوجود الٰہی مصلحت اور الٰہی تدبیر اُن بیجوں کو نہ اُگنے دیتی ہے نہ بڑھنے دیتی ہے نہ پھل پیدا کرنے دیتی ہے۔ مگر کئی بیج دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو سنگلاخ زمینوں اور شور بیابانوں میں بوئے جاتے ہیں۔ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، ان کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، ان کو پانی دینے والا کوئی نہیں ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی مصلحتیں اور اُس کی تقدیر اُن بیجوں کو بڑھاتے بڑھاتے بہت بڑے درختوں کی صورت میں بدل دیتی ہے۔ اتنے بڑے درخت کہ ہزاروں ہزار لوگ اُن کے پھل کھاتے اور اُن کے آرام دہ سایہ میں ہزاروں سال تک پناہ حاصل کرتے ہیں۔ خدا کے کام خدا ہی جانتا ہے انسانی عقلیں اور تدبیریں خدا تعالیٰ کی مصلحتوں اور تدبیروں پر حاوی نہیں ہوسکتیں۔

ہم بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک شور زمین میں اپنا مرکز بنائیں۔ عرش پر بیٹھنے والا خدا اور آسمان پر رہنے والے فرشتے ہی جانتے ہیں کہ ہماری اِس ناچیز، حقیر اور کمزور جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ ہمارے لیے مشکلات بھی ہیں، ہمارے راستہ میں روکیں بھی ہیں، ہمارے سامنے دشمنیاں اور عداوتیں بھی ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے اور انسانی عقل اور انسانی تدبیر آخر بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں بلکہ ہم سمجھتے اور یقین ہی نہیں رکھتے ہم اپنی روحانی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ رہے ہیں جو دنیا کو نظر نہیں آتی۔ ہم اپنی کمزوریوں کو بھی جانتے ہیں، ہم مشکلات کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے راستے میں حائل ہیں، ہم مخالفت کے اُس اُتار چڑھاؤ کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے سامنے آنے والا ہے، ہم اُن قتلوں اور غارتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پیش آنے والے ہیں، ہم اُن ہجرتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہماری جماعت کو ایک دن پیش

آنے والی ہیں، ہم اُن جسمانی اور مالی اور سیاسی مشکلات کو بھی دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے رونما ہونے والی ہیں۔ مگر اِن سب دُھندلکوں میں سے پار ہوتی ہوئی اور اِن سب تاریکیوں کے پیچھے ہماری نگاہ اُس اونچے اور بلند تر جھنڈے کو بھی انتہائی شان وشوکت کے ساتھ لہراتا ہوا دیکھ رہی ہے جس کے نیچے ایک دن ساری دنیا پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔ یہ جھنڈا خدا کا ہوگا، یہ جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، یہ جھنڈا احمدیت کا ہوگا اور یہ سب کچھ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا۔ بے شک دنیوی مصائب کے وقت کئی اپنے بھی یہ کہہ اُٹھیں گے کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور کیا ہو گیا۔ مگر یہ سب چیزیں مٹتی چلی جائیں گی، مٹتی چلی جائیں گی۔ آسمان کا نور ظاہر ہوتا چلا جائے گا اور زمین کی تاریکی دور ہوتی چلی جائے گی، اور آخر وہی ہوگا جو خدا نے چاہا۔ وہ نہیں ہوگا جو دنیا نے چاہا''۔

(الفضل 12 مئی 1949ء)

1: "MY HOME MY CASTLE"

2: لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (النور: 28)

3: بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش